ہفت روزہ ''اخلاقی جنگ'' کی مختصر تاریخ

صرف چار شمارے شائع ہوئے

پاکستان پیپلز پارٹی سندھ کے سابق جنرل سیکریٹری، وزیر اعلیٰ سندھ کے سابق معاون خصوصی، پیپلز پارٹی کی سینٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی کے رکن اور دہلی برادری کی ممتاز شخصیت اقبال یوسف نے مارچ ۱۹۹۰ء میں ہفت روزہ ''اخلاقی جنگ'' کے نام سے ہفتہ وار رسالہ کا اجراء کیا اس رسالے کی لوح جنگ کی لوح سے مشابہہ تھی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ رسالے کے پہلے شمارے کے لیے روزنامہ جنگ کے مالک اور مدیر اعلیٰ میر خلیل الرحمان کا انٹرویو بھی لیا گیا۔ یہ انٹرویو ۲ مارچ ۱۹۹۰ء کو میر خلیل الرحمان کے دفتر میں لیا گیا اسے باقاعدہ کیسٹ پر بھی ریکارڈ کیا گیا۔ اور یہ کیسٹ افادہ عام کے لیے ''اخلاقی جنگ'' نے فروخت بھی کیے۔ میر صاحب نے اپنی زندگی میں بہت کم انٹرویو دیئے مگر ان تمام انٹرویو میں صرف اقبال یوسف اور طاہر مسعود کے نٹرویو معرکہ آراء قسم کے ہیں جن سے میر صاحب کی شخصیت آئینہ ہو جاتی ہے اور ان کی ابن الوقتی ان کے اپنے الفاظ میں چھلکتی ہے اس انٹرویو کا کیسٹ آج بھی محفوظ ہے۔ طاہر مسعود کا انٹرویو ضیاء الحق دور میں لیا گیا ہے لہٰذا ضیاء الحق کے قصیدے اور بھٹو دور کی مذمت ملتی ہے جب کہ اقبال یوسف نے پی پی پی کے دور میں انٹرویو لیا لہٰذا فوجی دور کی مذمت ملے گی۔

''اخلاقی جنگ'' کا پہلا شمارہ ۷ مارچ ۱۹۹۰ء کو منظر عام پر آیا اس کے مالک مدیر، طابع اور ناشر اقبال یوسف تھے یہ ہفت روزہ پاکستانی صحافت میں ایک تہلکہ خیز صورتحال پیدا کرنے کا باعث ہوا حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس رسالے کی لوح، سرورق اور اندرونی سرورق پر اگلے شماروں میں شائع ہونے والے مضامین سے متعلق سرخیاں، پاکستان کے نامور خطاط اور فنکار رشید شاہد نے تیار کی تھیں جو اس وقت ہفت روزہ ''تکبیر'' اور ''مشرق'' سے بیک وقت وابستہ تھے۔ رسالے کا پہلا شمارہ ۸ مارچ ۱۹۹۰ء کو اے پی این ایس کی سالانہ تقریب میں تقسیم کیا گیا اور مدیران جرائد و رسائل اقبال یوسف کی اس جرأت پر حیرت زدہ رہ گئے تقریب میں موجود جسٹس ریاض حسین اور وزیر اعلیٰ سندھ آفتاب شعبان میرانی نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا ہفت روزہ کے دوسرے شمارے میں میر صاحب کے نام مدیر اخلاقی جنگ کے سوالات کی فہرست شائع ہوئی جس پر میر خلیل الرحمان غصے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے ردعمل کے طور پر مدیر اخلاقی جنگ کے نام نہایت اشتعال انگیز خط لکھا۔ میر خلیل الرحمان کا یہ خط مدیر ''اخلاقی جنگ'' کے جوابی خط کے ساتھ ''اخلاقی جنگ'' کے تیسرے شمارے میں شائع ہوا۔ اخلاقی جنگ کے تین شماروں کی تفصیل یہ ہے:

اخلاقی جنگ کا دوسرا شمارہ ۱۵/ مارچ کو منظر عام پر آیا شہ سرخی تھی ''نواز شریف کی سرپرستی میں بھائیوں کی

سرگرمیاں'' اس شمارے میں اقبال یوسف کے وہ سوالات شامل تھے جو میر خلیل الرحمان صاحب کے طویل انٹرویو میں وقت کی کمی کے باعث نہ پوچھے جاسکے اور میر صاحب نے ہدایت کی تھی کہ یہ سوالات بھیجے دیے جائیں وہ ان کے تحریری جوابات دیں گے۔ لیکن اس سوالنامے نے میر صاحب کو آخر کار مشتعل کر دیا اور انھوں نے نہایت غصے میں ایک خط اقبال یوسف کے نام تحریر کیا جو اخلاقی جنگ کے تیسرے شمارے میں اقبال یوسف کے جواب کے ساتھ شائع ہوا۔

اخلاقی جنگ کا تیسرا شمارہ ۲۱، مارچ ۱۹۹۰ء کو منظر عام پر آیا جس میں اقبال یوسف معاون خصوصی وزیر اعلیٰ سندھ کے نام ایک خط شائع ہوا۔ اور اس خط کے جواب میں اقبال یوسف کا مضمون بھی شائع ہوا۔ سرورق پر میر صاحب اور بے نظیر بھٹو کی مسکراتی ہوئی تصویریں تھیں اور سرخی تھی ''میر خلیل الرحمان کا گالیوں سے بھرپور ادب عالیہ کا شاہکار'' معاہدہ کراچی کیوں ٹوٹا، میر خلیل الرحمان کے انکشافات اور شہ سرخی قاضی حسین کی ۱۴/اگست ۱۹۸۸ء کی وہ چارج شیٹ جو ضیاء الحق کے خلاف جاری کی گئی تھی۔ ''جنرل ضیاء الحق راشی سازشی، مکار، جھوٹا شخص تھا، قاضی حسین احمد''۔

میر صاحب نے اخلاقی جنگ کے خلاف عدالت عالیہ سندھ سے حکم امتناعی حاصل کیا۔ رسالہ بند ہو گیا۔ مقدمہ چلتا رہا، حکومت اور میر صاحب میں مذاکرات ہوتے رہے۔ اخلاقی جنگ کا چوتھا اور آخری شمارہ ۲۹/ مارچ کو شائع ہوا، اس کی شہ سرخی تھی ''میں جماعت اسلامی کا ابلیس ہوں، ڈاکٹر اسرار احمد'' اجتماع ماچھی گوٹھ کی کہانی، ڈاکٹر اسرار احمد کے قلم سے شائع کی گئی۔ ایک ذیلی سرخی حق نواز جھنگوی کی شہادت سے متعلق ہے۔ حق نواز جھنگوی اور سیدہ عابدہ حسین کی تصاویر کے ساتھ سرخی ہے قاتل اور مقتول اور بڑی سرخی ہے سیدہ عابدہ حسین میری قاتل ہے۔ حق نواز جھنگوی کی ایف آئی آر۔ اندرونی صفحات میں حق نواز جھنگوی کی شہادت سے تین روز قبل ان کی تقریر کیسٹ سے صفحات پر منتقل کی گئی جس میں انھوں نے اپنے قاتل کی نشاندہی کر دی تھی۔ [واضح رہے کہ سیدہ عابدہ حسین پیپلز پارٹی کے دور میں حزب مخالف کا کردار ادا نہیں کر رہی تھیں] اس شمارے میں محمود شام کا ایک تجزیہ بھی شامل ہے جس کا عنوان ہے ''ہمیں جمہوریت نہیں چاہیے''۔ اس مضمون میں بے نظیر بھٹو کی حکومت کی مدلل مداحی اور جذباتی انداز میں پیپلز پارٹی کی بھرپور وکالت کی گئی ہے۔

اس کے بعد میر خلیل الرحمان نے جنگ کے پہلے صفحے پر جنگ کی تاریخ کا طویل ترین اشتہار ''اخلاقی جنگ'' کے خلاف شائع کیا اور عدالت عالیہ سندھ میں ۲ کروڑ روپے ہرجانے کا مقدمہ دائر کر کے ''اخلاقی جنگ'' کی اشاعت کے خلاف حکم امتناعی حاصل کر لیا۔

اقبال یوسف کے خلاف دو کروڑ کے مقدمے کے بعد دہلی برادری کے بزرگوں خصوصاً سنو وہائٹ والوں اور دیگر افراد نے میر خلیل الرحمان اور اقبال یوسف کے مابین مصالحت کی کوشش کی۔ بالآخر یہ مصالحت ہو گئی اور شاید مقدمہ واپس لے لیا گیا۔ ویسے بھی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی بڑی سیاسی پارٹی کے صوبائی عہدیدار نے جنگ جیسے اخبار سے براہ راست ٹکر لی تھی، جس کے باعث جنگ والے سہم گئے وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید اقبال یوسف کو بے نظیر کی حمایت حاصل ہے لیکن خوف کی یہ برف جلد پگھل گئی اور میر صاحب نے حسب معمول مصالحت و مفاہمت میں کاروباری مفادات کو ترجیح دی اور یہ تنازعہ طے پا گیا۔

اس طرح ''اخلاقی جنگ'' چار شماروں کے بعد گمنامی میں چلا گیا میر صاحب کا انٹرویو، ان کا خط اور اقبال یوسف کا جواب اردو صحافت کی تاریخ میں ایک نادر شے ہے جس کا مطالعہ تاریخ صحافت کے طلباء کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔

بھٹو دور سے متعلق میر خلیل الرحمان کا پہلا اور آخری انٹرویو

انٹرویو: اقبال یوسف مدیر ''اخلاقی جنگ''

اقبال یوسف: دنیا میں آپ کا نام مستند ہے۔ پاکستان میں صحافت کی تاریخ میں آپ کا نام سرفہرست ہے۔آپ یہ بتائیے کہ آزادی سے اب تک آپ نے صحافت کی دنیا کو کیسا پایا؟

میر خلیل: جب سے پاکستان بنا ہے کئی حکومتیں آئیں۔ایک مسئلہ تو ہر حکومت کے ساتھ رہا ہے، آزادی صحافت۔ بدقسمتی ایسی رہی کہ کوئی حکومت مستقل بنیاروں پر یہاں ٹک نہیں سکی۔شروع میں لیاقت علی اور قائداعظم بہت کم عرصہ رہے۔قائداعظم بے چارے جو سنہ ۱۹۴۸ء میں چلے گئے اور لیاقت علی خان ۱۹۵۱ء تک رہے۔اس کے بعد حکومتوں کا آنا جانا لگا رہا۔ چھ مہینے کی، آٹھ مہینے کی حکومت آئی۔ یہ ہمارے ملک کی ہسٹری خالی صحافت کی ہی نہیں تجارت، صنعت اور سرکاری ملازمتیں، ٹرانسپورٹ اور انڈسٹری کوئی چیز جو ہے اس کو استحکام نہیں ملا کیونکہ حکومتیں آتی تھیں، اپنی پالیسی بدل دیتی تھیں لوگوں کو اطمینان نہیں ہوتا تھا سب سے بڑی کمی جو مجھے ہمارے یہاں محسوس ہوئی کیونکہ میں ساری دنیا گھومتا رہا ہوں، وہاں اپنے سے مقابلے کیا، وہ یہی سسٹم کی کمی محسوس ہوئی۔ ہمارے یہاں سسٹم نہیں چل سکا۔ ہمارے یہاں کے لوگ بہت اچھے یہ ہیں مگر سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے یہاں صحافت کی جو بنیادی باتیں ہیں، صحافت بھی ہمارے یہاں ایمیچور رہی ہے۔ سیاست کو بھی میچورٹی نہیں آئی، اور دیکھیے مارشل لاء میں قاعدہ اور قانون تو ہوتا نہیں، مارشل لاء کا مطلب فوجی لاء ہوتا ہے مارشل لا There is no low اس میں تو کوئی چیز پروان نہیں چڑھ سکتی۔ جو اوپر بیٹھا ہے اسے برداشت کریں۔ وہ Exercise میں تھے، انہوں نے Exercise کی ہے اب جو ہو رہی ہے۔اب سیاست میں کوئی پابندی نہیں ہے اور اب ہم بھی سمجھتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں لکھنا مطلب یہ ہے کہ اخبار جنگ کسی اور طرح لکھنا چاہتا ہے لکھتا ہے تکبیر کا جو انداز ہے وہ کچھ اور ہے لیکن وہ بھی لکھتا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں جو ہم چاہتے ہیں نا لکھنا وہ ہم آج کر سکتے ہیں یہ ہے کہ میں کیا چاہتا

ہوں یہ میری مرضی ہے، یہ میرا اپنا مزاج ہے۔ دوسرے کیا چاہتے ہیں اسی حد تک۔ کئی ایسے بھی ہیں کہ جتنا میں لکھنا چاہتا ہوں وہ اتنا لکھنا بھی نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ نہیں بھئی یہ بھی زیادہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اب اگر یہ چیز چلتی رہی تو پھر ہمارے یہاں جو شعبے ہماری زندگی کے اور ڈپارٹمنٹ جو کمزور رہ گئے ہیں جو مچیور نہیں ہوئے وہ مچیور ہو جائیں گے اور پھر ہم چل پڑیں گے پھر ہمیں کسی چیز کا خطرہ نہیں رہے گا۔

اقبال یوسف: آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جمہوری حکومت کو استحکام حاصل رہے تو صحافت و سیاست کا ارتقائی عمل جاری رہے گا۔

میر خلیل: بالکل یہی مطلب ہے۔

اقبال یوسف: ایوب خان، یحییٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق کے ادوار اپنے اپنے لحاظ سے اور آزادی صحافت کے لحاظ سے آپ کے لیے کیسے رہے، یعنی آپ ان ادوار کا موازنہ کر کے بتائیے کہ کس کا دور صحافت کی آزادی کے حوالے سے آپ کے لیے بہتر تھا؟

میر خلیل: وہی بات آجاتی ہے کہ اگر ایوب خان کے دور میں صحافت کو کچھ آزادی تھی تو وہ ان کی مرضی سے عطا کردہ آزادی تھی۔ ہمیں حقوق عطا نہیں کیے گئے تھے۔ اسی طرح ضیاء الحق ہے اسی طرح یحییٰ خان ہے، یحییٰ خان کے زمانے میں، اللہ ان کی مغفرت کرے، انہیں تو کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ اخبارات کی طرف توجہ دینے کی انہیں فرصت ہی نہیں تھی، اخبارات کیا کر رہے ہیں، سیاست دان کیا کر رہے ہیں یحییٰ خان کے زمانے میں جتنی آزادی تھی وہ کبھی نہیں تھی یحییٰ خان کے زمانے میں کوئی پوچھنے والا نہ تھا اور یہی وجہ ہوگی کہ ہمارا ملک تقسیم ہو گیا اور بھی باتیں ہیں مگر میں جانے والے کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

اقبال یوسف: کیا آپ کے خیال میں اس دور میں چونکہ صحافت پر کنٹرول نہ تھا علیحدگی پسندوں کے خیالات زیادہ شائع ہوتے رہے جس کی وجہ سے ملک دولخت ہوا اور علیحدگی پسندوں کو شہہ ملی؟

میر خلیل: ہمارا ملک جو علیحدہ ہوا ہے اس کا مغربی پاکستان سے تعلق نہیں، نہ ہی مغربی پاکستان کی صحافت کا وہاں اثر تھا۔ اگر اثر تھا تو بنگال میں وہاں کے اخبارات کا۔ اصل میں یہ معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے جو حقوق ہیں ہمیں نہیں مل رہے اور ہم پر مغربی پاکستان حکومت کر رہا ہے یہ چیز پکائی گئی، اسے ایکسپلائٹ کیا گیا۔ بنگالیوں کو مشتعل کیا گیا کہ دارالحکومت وہاں ہے ہر چیز مغرب میں ہے۔ ایسے حالات پیدا کر دیے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم مغربی پاکستان کی کالونی ہیں۔ ہمارے لوگوں نے اس نفرت کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجہ اخبارات یا صحافت نہیں تھی۔ صحافت تو آئی ہی نہیں بیچ میں۔ ہم تو کہتے رہتے تھے سنتا کون تھا وہاں یہ بات تھی کہ بنگال بنگالیوں کا، اس کی علیحدگی میں اخبارات کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔

اقبال یوسف: آپ کے خیال میں اس تقسیم کا سبب تقسیم پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی غیر فطری تقسیم تو نہیں تھا؟

میر خلیل: نہیں جی کوئی غیر فطری نہیں تھا۔ ہم پاکستانیوں نے ان کو احساس نہیں دلایا کہ وہ بھی ہمارے حصہ دار ہیں اقتدار و اختیار میں شریک ہیں، ملک کے نظم و نسق کے ذمہ دار ہیں انہیں احساس شراکت نہیں تھا۔ یہی بات تھی ہماری غلطی تھی اور اس قسم کی بات دوسرے صوبوں کے ساتھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں احتیاط برتنا چاہیے کیونکہ ہمارا ملک فیڈریشن ہے۔ فیڈریشن میں ہر صوبے کو جب تک آپ بعض چیزیں چھوڑ کر اس کے حقوق و اختیار نہیں دیں گے جیسے وفاع، کرنسی، فارن افیئرز تو انہیں چھوڑ کر جب تک حقوق نہیں دیں گے غلط فہمیاں رہیں گی۔ ہم نے ان کو احساس شراکت سے محروم رکھا اور وہ زبان، رنگ، کلچر سب کی بنیاد پر اپنے کو الگ سمجھنے لگے۔ رہا مذہب تو اس پر ہم نے عمل نہیں کیا۔ اس میں بیوروکریسی کا بھی قصور ہے وہ سلوک کیا جو ان سے انگریز کرتا تھا۔ وہ ہر چیز کے لیے اسلام آباد کیوں آئیں۔ امپورٹ لائسنس لینا ہے ذرا سی بات ہے ہر بات پر اسلام آباد پرمٹ نوکری سب کے لیے اسلام آباد جانا پڑتا ہے۔

اقبال یوسف: یہ بات عام طور پر کی جاتی ہے کہ ایوب خان، یحییٰ خان اور شاید ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق کے دور میں بھی آپ کو وفاق میں وزارت کی بار بار پیش کش کی گئی تو کیا وجہ تھی کہ آپ نے نظام حکومت میں اپنے آپ کو عملی طور پر شامل نہیں کیا؟

میر خلیل: بات یہ ہے کہ ارے آپ نے نام لیے ہیں سب نے آفر نہیں کیا ان چار افراد میں سے دو نے مجھے آفر.....

اقبال یوسف: وہ کون کون تھے؟

میر خلیل: یہ آپ رہنے دیجئے۔ اسے چھوڑیئے۔ چار میں سے دو افراد نے نے مجھے آفر کیا تھا۔

اقبال یوسف: کیا بھٹو صاحب نے بھی آفر کی تھی؟

میر خلیل: ہاں ہاں۔ بھائی یہ سب افراد گزر گئے اب کوئی تردید کرنے والا نہیں ہے۔ باقی یہ بات ہے کہ مجھے اسمبلی کی ممبری، سینیٹ کی ممبری، وزارت ان میں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا جو اس وقت پیشہ ہے۔ میں اس سے بالکل ڈیڈیکیٹ ہوں۔ اس کے سوا کچھ اور نہیں کرنا چاہتا میں اس میں اتنا مغم ہوں کہ مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔ میں نے صحافت سے اپنی زندگی شروع کی اور میں صحافی کے طور پر مرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے بہت مشہور صحافی تھے الطاف حسین صاحب۔ ڈان کے ایڈیٹر تھے۔ ایوب خان کے زمانے میں منسٹر بن گئے اگر وہ بحیثیت ایڈیٹر ڈان دنیا سے جاتے تو ان کی بات ہی اور ہوتی۔ اب انہیں کوئی نہیں جانتا برسی نہیں منائی جاتی۔ حمید نظامی کو دیکھے ماشاء اللہ ہر سال ان کی برسی منائی جاتی ہے۔ ہر سال ان پر مذاکرے ہوتے ہیں کیوں کہ وہ ورکنگ جرنلسٹ کی حیثیت سے

دنیا سے گئے۔

اقبال یوسف: الطاف حسین کے جنازے میں صرف چالیس افراد شریک تھے۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس وقت ہاشم رضا نے کہا تھا کہ یہ ایوب خان کے وزیر کا جنازہ ہے۔اگر یہ ڈان کے ایڈیٹر کا جنازہ ہوتا تو ہزاروں آدمی آتے۔

میر خلیل: بالکل بالکل۔وزارت وغیرہ عارضی چیز ہے۔ایک دفعہ آنا ہے پھر جانا ہے تو جانے کے وقت جو حالت ہوتی ہے وہ بہت عجیب ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اس حالت سے بچائے کسی کو وہاں پہنچا کر نہ ہٹائے۔

اقبال یوسف: ضیاء الحق کے دور میں اور آج محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور میں جو آزادی صحافت ہے، دونوں ادوار میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

میر خلیل: ضیاء الحق اور اس موجودہ دور کا کیا مقابلہ۔ضیاء الحق ایک فوجی آدمی تھے، سی ایم ایل اے تھے۔مارشل لاء میں تو کوئی لاء نہیں ہوتا یہاں تو باقاعدہ آئینی حکومت چل رہی ہے۔ہر چیز ہم لکھ سکتے ہیں۔ہم جو لکھنا چاہتے ہیں، مناسب سمجھتے ہیں وہ لکھ سکتے ہیں، چھاپ سکتے ہیں۔کئی پرچے ایسے بھی ہیں جو کیا کچھ نہیں لکھتے وہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔اس زمانے میں ضیاء الحق کے زمانے میں کوئی کیسے لکھ سکتا تھا۔اب تو دیکھئے اگر حکومت نے برداشت نہ کیا، کوئی ایکشن لے لیا تو ہم ہائی کورٹ چلے جائیں گے، سپریم کورٹ چلے جائیں گے اور جو جمہوری حکومت ہوتی ہے اسے اپنی نیک نامی کا بڑا پاس ہوتا ہے، وہ اپنے اوپر داغ نہیں لگانا چاہتی۔جب کہ مارشل لاء گورنمنٹ جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔وہ کہتے تھے کہ ہم مارشل لاء حکومت ہیں انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ داغ لگے کا بدنامی ہوگی۔اس حکومت کا آپ اس حکومت سے موازنہ نہیں کر سکتے۔مارشل لاء سے پہلے چندریگر، فیروز خان نون، سہروردی کی حکومتیں رہیں۔لیکن اس زمانے میں نہ سیاسی جماعتیں بہت تھیں نہ پریس بہت ترقی یافتہ تھا۔اب حالات بہت مشکل ہیں۔ان حالات میں حکومت کرنا بھی مشکل ہے، اخبار نکالنا بھی مشکل ہے۔

اقبال یوسف: آپ کا اخبار تین صوبوں سے نکلتا ہے اور محسوس کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں کی پالیسی کے مطابق چلتے ہیں۔

میر خلیل: پرچہ نکالنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کے لوگوں کو وہاں کی خبریں پہنچائی جائیں۔یہ نہیں کہ آپ یہاں بیٹھ کر لاہور کی خبریں چھاپیں۔اس میں فارن افیئرز ہو، بلوچستان کے اخبار میں پنجاب بھرا ہوا ہو۔ہم زیادہ سے زیادہ اپنے قارئین کو باخبر رکھنا چاہتے ہیں۔اہم قومی خبریں، اس کے بعد باقی صوبے، علاقے کی خبریں، ہمارے اخبار کے بارے میں نواز شریف کو بھی شکایت ہے۔وہ پکڑ پکڑ کر کہتے ہیں کراچی کا اخبار تو ایم کیو ایم ہے۔ان کا کہنا

ہے کہ جب پرائم منسٹر وہاں آتی ہیں تو شکیل الرحمان اس طرح اخبار نکالتے ہیں جیسے ہم۔ Exist ہی نہیں کرتے جیسے نواز شریف اور آئی جے آئی Exist ہی نہیں کرتے اور پنڈی کا جو جنگ ہے وہ پیپلز پارٹی کا ہے۔ کچھ اور، کچھ ویسا ہے۔ میں نے کہا کہ جی بات یہ ہے کہ اس کا کیا کریں۔ وہ پرائم منسٹر ہے وہ لاہور میں آئے گی تو ہر چیز پر سبقت لے جائے گی۔ نواز شریف نمبر ٹو ہو جائیں گے جب وہ نہیں ہوتی تو آپ کی خبریں چھپتی ہیں۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ کراچی کا جو پرچہ ہے وہ ایم کیو ایم ہے اور وہاں کا جو پرچہ ہے وہ آئی جے آئی..... یہاں ایم کیو ایم کی طاقت ہے ان کے لوگ جیتتے ہیں ان کی فالوئنگ ہے اور وہ پریشرائز بھی کر سکتے ہیں۔ وہ منتخب نمائندے بھی ہیں۔ ہم تو اس اصول پر چل رہے ہیں کہ منتخب نمائندوں کی حکومت ہے۔ اس اصول کی نفی کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ یا یہ کہنا کہ آپ کم ووٹوں سے جیتے ہیں وہ زیادہ ووٹوں سے جیتے ہیں۔

اس موقع پر مداخلت کرتے ہوئے میر شکیل الرحمان نے کہا کہ آپ نیوز ویک لے لیں، ٹائمز لے لیں ہیرالڈ ٹریبیون کو لے لیں ان کے ایشین ایڈیشن لے لیں وہ بھی فرق کرتے ہیں۔

اقبال یوسف: قومی اتحاد کی تحریک کے دوران پھر پیپلز پارٹی کی حکومت جب آئی اس وقت بھی اور بھٹو صاحب کے دور حکومت میں جب سندھ میں لسانی بل پیش ہوا اس وقت جنگ اخبار کی سرخیوں کے باعث اشتعال پھیلا، لوگ ہلاک ہوئے۔ پھر قومی اتحاد کی تحریک میں اینٹی بھٹو پروپیگنڈہ ہوتا رہا۔ پھر ضیاء الحق کے دور میں بھٹو کے خلاف جتنا مواد جنگ اخبار میں چھپا ہے کسی اور میں نہیں چھپا۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے یا آپ کا ذاتی اختلاف تھا اس لیے؟

میر خلیل: نہیں بھائی میرا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ میں آپ سے عرض کروں یہ بات غلط ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں ہم نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مواد چھاپا۔ جو آتا رہا سب میں چھپتا رہا۔ وہ ہمارے یہاں بھی چھپتا رہا۔ یہ میٹر آف ریکارڈ ہے۔ آپ دو مہینے کے پرچے لے کر بیٹھ جائیں میں جنگ کا فائل منگوا لیتا ہوں۔

اقبال یوسف: ذوالفقار علی بھٹو کی کردار کشی کے لیے اور پیپلز پارٹی کے خلاف جو کچھ چھپا ہے وہ سب سے زیادہ جنگ میں چھپا ہے۔

میر خلیل: میں نہیں مانتا وہ آرٹیکل سب میں چھپے ہوں گے۔ وہ سنڈیکیٹ آرٹیکل ہوں گے وہ بیچارہ گیا ختم ہوا مسئلہ۔

اقبال یوسف: پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کو پورے ملک میں جنگ واحد اخبار تھا جس نے مارشل لاء کی خبر شائع کی۔ جب کہ کارروائی رات تین بجے ہوئی تھی اور اس رات جب ضیاء الحق جی ایچ کیو سے باہر نکلے تو آپ ان کے ساتھ تھے؟

میر خلیل: نہیں بھائی میں تو کراچی میں تھا۔ سب نے خبر چھاپی ایسا نہیں ہو سکتا۔

اقبال یوسف: تمام اخبارات نے ضمیمہ چھاپا تھا صرف جنگ نے لیڈ دی تھی اور ذوالفقار علی بھٹو کی پریس کانفرنس تین کالمی شائع کی تھی؟

میر خلیل: بھائی دیکھ لیں گے میں فائل منگوالیتا ہوں۔

اقبال یوسف: اس دن جنگ اخبار دیر سے بھی نکلا تھا؟

میر خلیل: ہاں ایسا ہوسکتا ہے کہ اخبار دیر سے نکلا ہو لیکن مارشل لاء لگنے کی خبر سب نے دی تھی۔

اقبال یوسف: چار اپریل ۷۹ کو جب بھٹو صاحب کو پھانسی دی گئی اس رات بھی آپ سب سے زیادہ باخبر تھے کہ انہیں پھانسی دی جارہی ہے اور پھانسی ملتوی بھی ہوسکتی تھی۔ اس کا اعلان بھی نہیں ہوا تھا مگر ایک سینئر صحافی نے جو آپ کے ادارے سے وابستہ تھے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس دن ہمیں رات کو روکا گیا تھا کہ صبح ہمیں ضمیمہ نکالنا ہے اور ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر آپ تھے۔

میر خلیل: بالکل، ان کنٹیکٹ تھے۔ پنڈی سے جنگ نکلتا تھا اس وقت نوائے وقت پنڈی سے نہیں نکلتا تھا۔ ہمارا دفتر وہاں موجود تھا ایڈیشن نکلتا تھا، لہٰذا ہمیں تو باخبر رہنا ہی تھا۔ وہ خبر دیتے تھے۔ یوں دیکھئے تو آپ کو یہ انٹرویو ہمارے پنڈی کے اسٹاف سے کرنا چاہیے جو یہ خبریں اس وقت دے رہا تھا۔

اقبال یوسف: ان ہی صحافی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ضیاء الحق سے ایک پریس کانفرنس میں آپ نے یہ سوال کیا تھا کہ ضیاء صاحب، جب سپریم کورٹ بھٹو کی پھانسی کا فیصلہ کرچکی ہے تو عمل درآمد میں اتنی تاخیر کیوں؟

میر خلیل: دیکھئے یہ بہت غلط چیزیں ہورہی ہیں۔ یہ بات نہیں ہوئی۔ [اس موقع پر میر صاحب کھنکارنے لگے] میں نے ایک صحافی کی حیثیت سے یہ نہیں پوچھا تھا۔

اقبال یوسف: نہیں یہ ٹیپ موجود ہے۔

میر خلیل: دیکھئے اس کا عمل درآمد سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے پوچھا تھا کہ اب سپریم کورٹ نے فیصلہ کردیا آپ کا آگے کیا پروگرام ہے، اب آگے کیا ارادے ہیں تو ہم نے کہا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ ہوگیا اب کیا کرنا چاہتے ہیں آپ۔ میرا مطلب یہی تھا کہ آپ انہیں چھوڑ دیں گے، آپ ان کی رحم کی اپیل منظور کرلیں گے، آپ ان کو سزا دیں گے، آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ میرا سوال تھا۔ بالکل کلیئر کٹ اس سوال کو اس طرح کرنا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو بھی ایسا سوال کرے کہ سپریم کورٹ نے فیصلہ کردیا اب عمل درآمد کیوں نہیں ہورہا ہے وہ نہایت نکما، ظالم ہی کرسکتا ہے صحافی نہیں کرسکتا وہ جلاد کرسکتا ہے۔ نہ میں ضیاء الحق سے کبھی ملا نہ جان نہ پہچان میرا کیا تعلق اس سے۔ نہ ضیاء الحق سے کوئی فائدہ اٹھایا خدا کے فضل سے کبھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا نہ ہم ان کے مرہون منت ہیں۔ ہم نے کسی بھی یار سے فائدہ نہیں اٹھایا کسی سے بھی نہیں اٹھایا۔ کوئی ثابت کردے کہ ایک پائی کا، کوڑی کا فائدہ ہم

نے لیا۔

اقبال یوسف: لوگ کہتے ہیں کہ اخبار جنگ کو بہت سی رعایتیں دی گئیں۔ مثال کے طور پر آپ کا کمپیوٹر آیا تو ڈیوٹی فری ملا۔

میر خلیل: نہیں دس اخبارات کو نوائے وقت، جنگ، مشرق، سب کو دس اخبارات کو فری ملا اور بتاؤ کیا فائدہ؟

اقبال یوسف: شکیل صاحب چلے گئے سنا ہے کہ نواز شریف نے انہیں لاہور میں ۸۰ کنال کا پلاٹ دیا۔

میر خلیل: بھائی شکیل الرحمان کہاں ہیں جلدی سے ان کو بلاؤ [ایک آدمی شکیل الرحمان کو بلانے جاتا ہے]

اقبال یوسف: ذوالفقار علی بھٹو ٹرسٹ جس کا نام شیخ سلطان ٹرسٹ رکھا گیا تھا۔ ایک اخبار میں آرٹیکل شائع ہوا جس میں لکھا تھا کہ اس ٹرسٹ کا نام تبدیل کرانے میں میر صاحب کا بہت کردار رہا ہے۔

میر خلیل: کب تھا۔ خدا کی قسم میرا کوئی واسطہ نہیں مجھے پتہ ہی نہیں کون، کس نے نام تبدیل کیا؟ کیوں کیا؟ ضیاء الحق تو مجھ سے بہت دور تھا میرے بھائی میرا کیا واسطہ ضیاء الحق سے۔

اقبال یوسف: ضیاء الحق آپ کو دہلی لے گئے تعارف کرایا صحافت کے بادشاہ ہیں بلکہ بادشاہ گر ہیں۔

میر خلیل: نہیں بھائی میں نہیں تھا، میں نہیں تھا میرا بیٹا تھا جاوید۔ میں تو گیا بھی نہیں تھا [میر شکیل الرحمان تشریف لے آتے ہیں۔]

میاں رعایتوں کی بات ہو رہی ہے یہ کہہ رہے ہیں کہ لاہور میں نواز شریف نے میر شکیل الرحمان کو ۸۰ ہزار ایکڑ کا پلاٹ دیا ہے۔ اس پر محل بن رہا ہے ان کو جواب دے دو بھیا ۸۰ کنال میر صاحب

اقبال یوسف: شکیل صاحب تو کیا یہ بات صحیح ہے کہ حکومت پنجاب کی آپ پر خاص نظر کرم ہے؟

میر خلیل: [میر شکیل الرحمان] پی پی نے وہاں اسمبلی میں وہائٹ پیپر شائع کیا اس میں سب کے نام تھے۔ میرا نام نہیں تھا۔ میں نے تو پیسے دے کر پلاٹ لیا پرائیویٹ پارٹی سے لیا ہے اس سے پنجاب حکومت یا نواز شریف کا کوئی تعلق نہیں۔

اقبال یوسف: بھٹو فیملی کے حوالے سے بات ہو رہی تھی کبھی آپ نے محسوس کیا کہ آئی جے آئی کی انتخابی مہم کے دوران محترمہ بے نظیر بھٹو، نصرت بھٹو اور پی پی پی کے خلاف بڑے شرانگیز اشتعال انگیز اور بڑے گھٹیا اشتہارات شائع ہوئے آپ نے کبھی اس کا نوٹس نہیں لیا کہ اتنے غلط اور شرانگیز اشتہارات چھاپے۔

میر خلیل: میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی بات نہیں یہ اشتہارات اور اخباروں میں بھی چھپے ہیں۔ الیکشن کے زمانے میں اس قسم کی چیزیں چھپا کرتی ہیں۔ اس میں کوئی بات نہیں۔

اقبال یوسف: آپ کے خیال میں ایسے اشتہارات جس میں کسی کی کردار کشی ہوتی ہو، اشتعال پھیلتا ہو، دوسروں

کے جذبات مجروح ہوتے ہوں ان اشتہارات کو چھاپنا چاہیے؟

میر خلیل: نہیں چھاپنا چاہیے۔ ہم نے ایسے اشتہارات رد کے شائع نہیں کیے۔

اقبال یوسف: کیا آپ کے خیال میں سندھ میں بسنے والے ہر شخص کو سندھی زبان نہیں سیکھنی چاہیے؟

میر خلیل: بالکل جی۔ سیکھنی چاہیے بلکہ عربی بھی فرنچ بھی سیکھنی چاہیے یہ تو بڑی اچھی چیز ہے سیکھنی چاہیے۔

اقبال یوسف: سندھ میں جولسانی بل ۷۷ میں پیش کیا گیا تھا اس بل کا مقصد بھی یہی تھا کہ تعلیمی اداروں اور ملازمتوں کے لیے سندھی زبان سیکھنا چاہیے اور اسکولوں میں سندھی پڑھائی جانا چاہیے تو اس بل کے بارے میں آپ نے ''اردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے'' کیوں لکھا؟

میر خلیل: ہم نے جو کچھ صحیح سمجھا اس کے مطابق کیا۔ ہمیں اس پر کوئی شرمندگی نہیں۔ آپ بل سامنے رکھیں پھر بات کریں۔ قائداعظم کے بیان کے خلاف تھا وہ بل۔ اور قائداعظم کے وعدوں کے خلاف تھا اس کے لیے میں نے آواز اٹھائی بل رکھیں میں بتاؤں گا اس میں کیا تھا۔ دیکھئے جی آپ نے انٹرویو کے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ اس طرح کے سوالات ہوں گے آپ نے کہا تھا میری صحافت اور صحافیانہ زندگی کے بارے میں سوالات ہوں گے۔ آپ مجھے سوالات لکھ کر بھیج دیں میں آپ کو جواب لکھ کر بھیج دوں گا آپ صرف صحافت کے حوالے سے بات کریں پہلا سوال آپ نے اس کے مطابق کیا۔

اقبال یوسف: نومبر میں جب عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جارہی تھی تو اخبارات میں ایک غیر اخلاقی جنگ شروع ہوگئی تھی اینٹی پیپلز پارٹی اور اینٹی ڈیموکریٹک سسٹم اور ہم نے یہ محسوس کیا کہ اخلاقی جنگ ہونا چاہیے اس حوالے سے اور ہم ان چیزوں کا جواب دیں اس میں سب سے پہلے آپ کا انٹرویو لیا۔

میر خلیل: آپ جو بات کرنا چاہتے ہیں صحافت کے حوالے سے ہی۔ آپ نے کہا تھا لیکن آپ مجھے دلدل میں پھنسا رہے ہیں یہ تو ایسی چیزیں ہیں۔

اقبال یوسف: آپ کے اخبار کے اندر بھٹو خاندان کے خلاف بہت چھپا ہے ہم چاہ رہے تھے کہ.....

میر خلیل: وہ آپ سامنے رکھیں میں اس کا جواب دوں گا۔

اقبال یوسف: کسی بھی خاندان کے بارے میں اس ملک کے سارے بڑے خاندانوں سے آپ کے گہرے مراسم ہیں خواہ وہ سیاسی خاندان ہوں یا معاشی خاندان ہوں بھٹو خاندان سے بھی آپ کے گہرے مراسم تھے اقتدار کے وقت، مگر بھٹو خاندان کے خلاف گیارہ سال تک اور آج بھی خاص ذوالفقار علی بھٹو خاندان کے بارے میں جو کردار کشی کا سلسلہ ہے۔

میر خلیل: میری بھٹو خاندان سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں۔ میرا اس خاندان سے کوئی جھگڑا نہیں رہا ہے، نہ میں نے

فائدہ اٹھایا نہ میں کبھی کسی کے قریب گیا، نہ کسی سے اتنا الگ ہوا جیسے میری دشمنی ہے، نہ کسی سے مراعات لیں، نہ کسی کا مرہون منت ہوا۔ اگر میں نے کوئی فائدہ اٹھایا ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو میر صاحب نے کیسے فائدہ اٹھایا اب کیسے آنکھیں بدل لیں۔ مجھے تو میرا حق نہیں ملا میرے اخبار کی سب سے زیادہ اشاعت کے باوجود مجھے ہمیشہ اشتہار کے معاملے میں نمبر تین نمبر چار رکھا گیا۔ ہمارا کوئی کاروبار نہیں۔ اللہ کا شکر ہے میرے دو بیٹے ہیں۔ اس کام میں شاید ان کے لیے مجھے بھیک مانگنے کہیں جانا پڑتا مگر وہ اسی صحافت میں ہیں۔ بہت کامیابی سے صحافت کر رہے ہیں۔ میں نے کوئی چیز کسی سے کچھ نہیں لیا۔ واجد شمس الحسن یہیں تھا وہ میرا ملازم تھا۔ اگر ایسی مجھے بھٹو خاندان سے دشمنی ہوتی تو میں کہہ سکتا تھا میں کہتا بھائی واجد صاحب آپ مہربانی کر کے جائیں۔ ضیاء الحق نے مجھ پر کتنا پریشر ڈالا۔ اس زمانے میں نہیں دیا۔ لوگ کہتے تھے کہ خلیل الرحمان کے دو چہرے ہیں۔ ایک ڈیلی نیوز ایک جنگ تو یہ بات نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو واجد شمس الحسن ڈیلی نیوز میں اس طرح صحافت کیسے کر سکتے تھے۔ بھٹو خاندان کی بات لے لیں وہ ڈیلی نیوز میں بھٹو خاندان کو کتنا کرتے تھے کتنا ان کو اوپر چڑھاتے تھے کسی خلل اندازی کے بغیر میں سمجھتا تھا کہ ایک آدمی کو میں نے ایڈیٹر مقرر کیا ہے اسے آزادانہ کام کرنے دو صرف جنگ کے ضیاء دور میں اشتہارات بند ہوئے۔

ایم آر ڈی کی خبروں کی وجہ سے انہوں نے کہا تھا کہ ایم آر ڈی کی خبریں کرٹیل کریں یہ چھاپا تھا ہم نے صرف واحد اخبار جنگ تھا جس کے تمام اشتہارات چار مہینے تک بند رہے۔ کسی کے ساتھ یہ نہیں ہوا۔ یہ ..... چکر فحاشی کی تصویریں ۱۲ صفحات سے زیادہ مت چھاپو یہ سب ہمارے لیے پابندیاں ضیاء الحق نے شروع کیں۔ میرا تو بھٹو صاحب سے بہت مذاق چلتا تھا اوئے میرے فلاناں ڈھمکے..... ایک بار اصغر خان یہاں آیا جلوس لے کے۔ اگلے دن چار کالمی خبر شائع ہوئی بھٹو صاحب نے ٹیلی فون کیا ڈر گیا ڈر گیا تو اے میر تو اصغر سے ڈر گیا۔ اس سے میرے اس قسم کے تعلقات تھے۔ میری بیٹی کی شادی میں آئے تھے۔ میرے ساتھ ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ ضیاء الحق کو دوسری بیٹی کی شادی میں دعوت دی نہیں آئے حالانکہ بیٹی کے سسرال والے کشمیر کے تھے چاہتے تھے اور کہتے تھے ہم ضیاء الحق کے لیے آئے تھے۔ میری بیٹی کی شادی میں اگر کوئی وزیر اعظم پاکستان کا آیا ہے تو وہ صرف ذوالفقار علی بھٹو ہے۔ ریکارڈ کی بات ہے۔ ضیاء الحق کو میں نے دعوت نامہ بھیج دیا۔ بس وہ آئے یا نہ آئے ان کی مرضی۔ مگر بھٹو صاحب سے میرے تعلقات بہت اچھے تھے کس طرح آئے وہ میری بیٹی کی شادی میں وہ کوئٹہ میں تھے میں نے کہا سر آپ کو آنا پڑے گا عزت کا معاملہ ہے میری بیٹی کا دل ٹوٹ جائے گا۔ بیوی کیا کہے گی۔ تو کہنے لگے اچھا بھئی میں آتا ہوں۔ میں نے کہا بس آپ آجائیں دی اونلی پرائم مسٹر۔ دی اونلی پرائم منسٹر۔ دی اونلی پرائم منسٹر ہوا ٹینڈ دی ویڈنگ سریمنی آف مائی ڈاٹر۔ سمجھے آپ میں نے پانچ بیٹیوں کی شادی کی باقی

کسی بیٹے بیٹی کی شادی پر کوئی نہیں آیا۔ آپ دیکھیں اس کا کتنا احسان ہے مجھ پر۔ آئی ایم ویری گریٹ فل اس زمانے میں پرائم منسٹر تھا اور بڑا ونگ پرائم منسٹر تھا۔ جونیجو جیسا وزیراعظم نہیں تھا وہ میرا مطلب ہے کہ ہی واز دی گریٹ مین ہی واز ویری پاور فل منسٹر اسے ۲/۳ میجارٹی ملی تھی وہ کوئی ایسا ویسا وزیر عظم نہیں تھا اس وقت اس کا آنا بہت بڑی بات تھی۔

اقبال یوسف: یہی تو بات ہے کہ اس کے باوجود ضیاء الحق کے دور میں اور ان کے جانے کے بعد پی این اے کی تحریک میں آپ کا رول کیا ہو گیا۔

میر خلیل: بھائی کیا پی این اے کے بارے میں اخبارات کا کیا رول تھا؟

اقبال یوسف: کیا حالات ۷۷ کی نہج پر نہیں جا رہے ہیں؟

میر خلیل: نہیں نہیں میرا کیا تعلق نواز شریف سے اس سے کہا جا رہا ہے۔

اقبال یوسف: کہا جا رہا ہے کہ ۸ مارچ اور بیس مارچ کے دوران اخبارات کو اسی طرح پھر استعمال کیا جائے گا۔ ایک غیر اخلاقی جنگ شروع ہو گئی ہم چاہیں گے کہ اس جنگ میں آپ ایسی خبروں سے گریز کریں جس سے نفرت پیدا ہو۔

میر خلیل: آپ کہہ کر تو دیکھیں ہم تعاون کریں گے۔

اقبال یوسف: آپ کی سوانح حیات آپ کے یہاں کے کس صحافی نے لکھی ہے؟

میر خلیل: کون؟

اقبال یوسف: اقبال حامد حیدرآباد کے۔

میر خلیل: میر شکیل الرحمان نے کہا کہ میں نے بھی سنا ہوا ہے اقبال حامد کے بارے میں۔ میر صاحب نے کہا میرے علم میں نہیں ہے اور مجھے یاد نہیں۔

اقبال یوسف: اگر مل گئی تو میں چھاپ دوں گا آپ سے پوچھوں گا نہیں۔

میر خلیل: میں نے دیکھی نہیں۔

[بقیہ سوالات کے لیے میر صاحب نے فرمایا کہ مجھے تحریری بھیج دیں ان کے تحریری جواب دوں گا وہ سوالات تحریری بھیجے گئے۔ ذیل میں درج ان سوالوں پر میر خلیل الرحمان کا ردعمل خط کی صورت میں اور مدیر اخلاقی جنگ اقبال یوسف کا جوابی ردعمل اداریہ کی صورت میں آگے ملاحظہ کیجیے۔]